

پریل

کاوش

ترتیب و مقدمہ:

علیم صبّا آنوری

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آبزار

إِكْرَامْ كَاوَشْ

ترتيب و مقدمة

عليهم صباً الْوَيْدِي

بِعْلَه حُقُوق بِحِقِّ مُصْنَف مُحْفَوظ

ڪتاب کا نام

تعداد

قیمت

مطبع

کتاب خانہ

سین انڈھت

مصنف : اکرام کاؤش : 3361. ساتوان کراس ٹلک نگر - میسور 21

زیر انتظام : علیم صبایل زیدی : 26. امیر النساء بیگم اسٹریٹ. مونٹ روڈ - مدراس 2

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ د

شب خون کتاب گھر رانی منڈپ - الہ آباد

مکتبہ کھسار بر ۵ پورہ - بھاگلپور - بہار

ٹل ناڈوارد پبلی کیشنر - 26. امیر النساء بیگم اسٹریٹ. مونٹ روڈ -

مدراس 600002

نیا پورہ - مالیگاڑ - (ناسک)

مکتبہ توازن

میں

”سہ آبِز“

میری روپیہ حیات نہ میں قاج خاں بی اے بی اید

اور

میرے کرہ فرمار فقام

جناب میر غلام علی جوش رسکن امریکیہ

جناب محسن فیاض (دراس)

اور

جناب غلیل مامون ر بنگور

کے نام

معنوں کرتا ہوں

- مقدمہ علیم صبا نویدی
- تعارف پروفیسر میر محمود سین
- نئے افق کی طرف ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید

فہرست

| | | | |
|----|------------------------|----|----------------------------|
| 38 | 18 جمال فن | 20 | ۱ منظر مطہر |
| 39 | 19 سبز گفتگو | 21 | ۲ دعائی |
| 40 | 20 نقری سوچ | 22 | ۳ تو کھاں ہے کھاں تک چلوگے |
| 41 | 21 ہنسائی کا زہر | 23 | ۴ خاموشی کا سمدر |
| 42 | 22 انتظار | 24 | ۵ اپنی اپنی کالی صبحیں |
| 43 | 23 یہ صحراء چور دالو | 25 | ۶ ڈلیوں کے کان نہیں ہوتے |
| 45 | 24 بولتے لمجے | 26 | ۷ رشتون کی گل پوش شاخ |
| 46 | 25 لالہ صحرائی | 27 | ۸ وہ چہرے بول انھیں گے |
| 47 | 26 غزل چھیرنے دو | 28 | ۹ رہائی |
| 48 | 27 میں اور تم | 29 | ۱۰ کالی مسٹر سے گرینے |
| 49 | 28 درون خانہ | 31 | ۱۱ انسان |
| 50 | 29 قحط پڑا ہے انسان کا | 32 | ۱۲ ایک قوت ایک حقیقت |
| 51 | 30 عید | 33 | ۱۳ جاگتا درد |
| 52 | 31 میرا سفر نہیں رکتا | 34 | ۱۴ تغیر کی طرف |
| 53 | 32 سزا | 35 | ۱۵ ہر سمت میری تصویریں |
| 54 | 33 منظر جاگتا ہے | 36 | ۱۶ نیارشہ - نظارا |
| 55 | 34 میرا قصہ | 37 | ۱۷ نفس امارہ |

درجہ میں ڈاکٹر عبدالصفیٰ نے اپنے تحقیقی مقالہ "مُمِل نادو میں اردو نشر کا ارتقا،" میں مدراس کا باشندہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔) ۱۵۳۶ھ مطابق ۱۶۸۱ء میں "اسرارِ عشق" نامی ضخیم شنوی دکنی اردو میں لکھنی شروع کی جس کا اختتام ۱۵۹۳ھ میں ہوا۔ اسی طرح حضرت شاہ محمد صدر الدین ولد حضرت شاہ میران شاہ ولی اللہ ملقب بہ منزوی الجبلین (مدفون باوا آدم پہاڑی (مضافات) و شارم" ضلع شمالی آرکاٹ، مدراس) نے "مراة الاسرار" نامی رسالہ ۱۵۵۵ھ میں اپنے فرزند محمد امیر الدین کے مطالعہ کے لیے تصنیف کیا تھا۔

عہد سلطنت خداداد میں بیسوار میں اردو کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ شمالی ہند سے بھی اہل علم و فضل یہاں کی علمی قدر دانی کے زیر اثر آئے لگے۔ جیسا کہ لالہ مہتاب رائے سبقت، نواب جید رعلی خان کے دور میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ جو ایک اچھے شاعر بھی تھے اور جنہوں نے ۱۱۹۱ھ میں اپنا کلام "سمع مجلس" کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ اسی طرح ٹیپو سلطان شہید کے میر منشی زین العابدین شوستری نے سلطان کے حکم پر ۱۷۸۳ھ میں "فتح المجاهدین" تصنیف کی تھی۔ اور سلطان کے درباری شاعر حسن علی عزّت نے حب الحکم سلطان شہید ۱۷۸۵ھ میں "مفرح القلوب" دکنی زبان میں تصنیف کی تھی۔ ان کے علاوہ شہزادہ آفاق مورخ میرحسین علی کرمانی مختلص بہ حاکم ولد سید عبد القادر کرمانی ۱۲۲۱ھ میں "بحرفِ نظرت" نامی قواعد فارسی پر مشتمل رسالہ دکنی زبان میں، اور

"تجنیس اللغات" نامی لغات بھی مرتب کی۔

عہدِ کرشناراج وڈیر سوم (1799ء تا 1831ء) میں اردو زبان نہ صرف بیسور میں نزور و شور اور دھوم دھام سے پھلی پھولی بلکہ بیسور کے اطراف و کناف کے علاقوں میں بھی اس نے اپنی ہر دل غزنی کے گھرے نقوش چھوٹے تھے۔ چنانچہ حضرت سید عبدالرحیم درگاہی (متوفی 1855ء) اور حضرت میر حیات ابن میر یوسف حسین کو لا ری نے اپنی بیش بہرا تصانیف سے عوام خواص کے قلب و نظر میں اپنا خاص اور نمایاں مقام بنالیا تھا۔ علام حیدر سرور بیسوری (مصنف "شش لطائف" محرر 1236ھ) اور مولانا احمد خان شیرانی (مصنف چہار کرسی) بھی اسی دور کے یادگار مصنفین میں شامل ہوتے ہیں۔

عہدِ انگریز (1857ء تا 1885ء) کے دوران بیسور میں اردو کی رفتار اور بھی تیز تر ہوئی۔ چنانچہ سید اسحاق سالم، علام عبدالرداد (1221ھ) ابوالحسن ناظر ولادت (1151ھ) حضرت شاہ سید شہاب الدین شہماں (متوفی 1955ء) وغیرہم اس دور کی یادگار اور بیسور کی ادبی تاریخ کے زندہ اور روشن کردار ہیں۔

عہدِ چامراج وڈیر کے زمانے میں اردو کی ترقی تیز تر نہ ہی اطمینان خبش ضرور ہی ہے۔ چنانچہ سید عبدالمحیی بنرواری (1334ھ) حضرت سید شاہ

ط آپ مدرسہ لطیفیہ، ویور رصلع شکالی آرکاٹ کے فارغ التحصیل تھے۔

ٹ ۲ "مصابح الحیات" ، "خمسہ حیات" ، "شمع حیات"

فیقر محی الدین قادری مقیبل بیسوری (متوفی ۱۳۴۶ھ ملشی علام محمود صنفی (متوفی ۱۹۱۶ء) مولانا عبد الخالق عرف امیر (متوفی ۱۹۱۶ء) حضرت مولانا سرفاضی در ولیش پیراں قادری (متوفی ۱۹۲۳ء) محمد قاسم الصاری قسم بیسوری ظہیر عاقل شاہی (متوفی ۱۹۶۱ء) اور حضرت ضمیر عاقل شاہی اور غوث احمد علی خان افسر (متوفی ۱۹۷۰ء) نے شہر بیسور کی اردو روایات کے ایں اور زبان اردو کے بہی خواہ، مخلص خادم و جان تشار تھے۔

عہدِ حاضر میں بھی شہر بیسور میں اردو زبان خوب ترقی پذیر ہے۔ یہاں کے ادباء و شعراء کی کثرت اور اساس گلشن علم میں اہل فضل و کمال کی آمد و رفت نے یہاں کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں زینہ بہ زینہ، منزل بہ منزل اضافہ کیا ہے اور یہاں کے ادبی ادارے، مثلاً "بنیم اردو"، "بنیم اقبال"، "ابن حمیں اتحاد المسلمين" اور "محبوبیہ مکان" کے مشاعروں نے اردو کی خدمت کو اپنا نصب العین بنار کھا ہے۔

اردو زبان و ادب کی ترقی و ترددیج کے سلسلہ کی ایک نہایت اہم کڑی جناب اکرام کاؤشن مولف "داستان بیسور" اور مصنف "حرف زرین" ہیں جن کے اندر کافن کار، بہت توانا، حوصلہ مند، ذرا خدیل اور روشن نظر کھی ہے۔ اکرام کاؤشن کا شمار کرناٹک کے اُن شعرا میں ہوتا ہے، جن کی شاعری روایات کی صالح قدر دوں کی پاس داری اور نئے ادراک و احساسات کی ٹوپلوں سے جلوہ رینے ہے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اُن کی شاعری قاری کو

چاہے وہ غزل ہو یا نظم الفاظ کی جادوگری، کرتے بازی اور علامت کی دلدل میں نہ ڈبوئی ہے نہ احساس و جذبہ کی ناسودگی کے بھنوں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

اکرام کا دش نے اردو شاعری کی مختلف اصناف کو درد، کسک،

خوشی و انبساط، سنج و الم اور نئی تجرباتی روشنی سے ہمکنار ہی نہیں کیا بلکہ اپنے کرب و احساس کے اظہار کے لیے ٹہری عام فہم، سیدھی سادی زبان کا سہارا لیا ہے۔ ان کے ہاں فکری سیکرانی، کشادگی رمزیت اور وسعتِ ایما بُیعت کی تلاش بے سود ہے مگر ان کے جذبات و احساسات سے جو لطیف پیکرا ہوتے ہیں وہ ان کے ماضی اور حال کے مدار میں اُچھلتے کو دتے، چلتے پھرتے، نہستے کھیلتے اور گنگنا تے ہوئے مناظر پیش کرتے ہیں، جوں کا پس منظر ذہن و دل پہ ایک گھر اتاثر نقش کرتا ہے۔۔۔۔۔

سچ تو یہ ہے کہ ان کا زیرِ نظر مجموعہ "آبِ زر" کی ہر نظم میں انکی اپنی ذات مختلف پہلوؤں اور مختلف جہتوں میں سالن لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ان کی بعض نظیں مثلاً "تو کہاں ہے؟"، "کہاں تک چلو گے؟"، "نیارتہ" اور "نظارہ" مختصر ترین جامع اور خوب صورت احساس و جذبہ کی آئینہ دار ہیں۔

خوشی سی بات کی ہے کہ پیشِ نظر مجموعہ میں کرنالگ کے نام نہاد شعرا کی کی طرح اکرام کا دش کی نظموں میں اپنے ہم عصروں کی بازگشت کہیں بھی سائی نہیں دیتی ہے۔ مجھے لیکھیں ہے کہ اگر اسی روشن سے ان کا ذہنی سفر جاری رہیگا تو مستقبلِ قریب ہیں وہ اپنی الگ پہچان اور شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

عجمی

میسور ۶ مریئے ۱۹۹۲ء

• تعارف •

‘آبِ زر’ اکرام علی کا دوسرा مجموعہ کلام ہے۔ پہلے مجموعے نے کافی تاثر کیا تھا اور شعروں سخن کے شایقین کے طقوں میں بہت مقبول ہوا تھا۔ اب آپ نے یہ دوسرा مجموعہ کلام پیش کیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدت میں آپ کی فکر و نظر و سیع تر اور بلند تر ہو گئی ہے۔ اس مجموعہ میں آپ نے نئے تجربے کئے ہیں اور اپنے ان تجربوں میں کامیاب ہیں۔

اکرام کاوش شاعر ہیں اور صد فی صد شاعر ہیں۔ وہ شعر کیوں کہتے ہیں اس کا جواب ان کے کلام میں موجود ہے۔ وہ شعر کہنے پر مجبور ہیں۔ زندگی کا وسیع اور گھر را مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کی خوبیوں اور خابیوں پر آپ کی لنظر پڑتی ہے۔ حالات اور دعوات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اپنے تاثرات، احساسات اور خجالات کو شعر کے مترنم ڈھانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے ترمیم و اصلاح کے اشارے بھی اپنے بیان میں شامل کر دیتے ہیں۔ کاوش صاحب ہمیشہ فکر و شعر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ محفلوں میں شرکیب ہوتے ہیں تو ایک خاص انداز سے اپنا کلام سناتے ہیں، جس سے درد اور خلوص پہنچتا ہے۔ آپ تک بندی نہیں کرتے بلکہ خلوص، رعنائی خیال اور حُسن بیان سے سے کام لے کر سخنوری کی داد لیتے ہیں۔

غزل کو آپ نے پہلے مجموعے میں چھوڑ دیا اگرچہ مشاعروں میں آج بھی تازہ غزلیں سناتے ہیں۔ آپ کے کلام کا یہ دوسرा مجموعہ نظموں، معزی نظموں اور قطعات

پرستمیل ہے۔ یہاں آپ نہ بالکل قدیم رنگ کے لکیر کے فقر نظر آتے ہیں نہ جدید رنگ کی بے راہ روی اس میں پائی جاتی ہے۔ یہاں قدیم وجہ یہ کہ ایک حصہ میں امتزاج ہے بلکہ اس امتزاج سے آپ نے اپنے لیے ایک نرالی روشن کالی ہے۔ ان منظومات اور قطعات میں صفائی ہے، روانی ہے، گھرائی ہے، گھلادٹ ہے، ایما یت اور اشارت ہے اور سب سے زیادہ تاثیر ہے۔

اس کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بڑے جیوٹ اور بہت آدمی ہیں۔ واقعات اور حادثات سے دبتے ہیں بلکہ ڈٹ کران کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ہمت بندھاتے ہیں، مایوس نہیں ہوتے اور ہونے نہیں دیتے۔ رجاسیت کلام پر چھائی ہوئی ہے۔ کاؤش صاحب کی شاعری ان کی شخصیت کی عکاس ہے۔ اسی روشن پر صینے رہے ہیں، اور وہ کوئی پیغام دیتے ہیں۔

امید ہے آبِ زر کو اہل نظر کا ہُن قبول حاصل ہو گا۔

پروفیسر میر محمد حسین
سابق صدر شعبہ اردو، میسور یونیورسٹی۔ میسور

نئے افق کی طرف

اکرام کاوش بڑا طرحدار ہے۔ شخص بھی اور شاعر بھی۔ میں شاعر سے تو عرصہ دراز سے واقف ہوں لیکن شخص سے واقفیت ابھی حال حال کی بات ہے۔ شخص سے واقف ہونے سے پہلے اکرام کاوش کی شاعری کے بارے میں میرے تاثرات جو بھی رہے ہوں اب جو اکرام کاوش کی شاعری پڑھتا ہوں تو لگتا ہے یہ شاعری نہیں، یہ تو شخص اپنی حیات، اپنی شخصیت تو سوید کر رہا ہے۔ اور ان پیچ و خم اور خوب شرخاب کے تناظر میں زیست کر رہا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کی شاعری میں قاری کو کچھ اپنی حیات اور شخصیت کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں۔ زندگی کے درد و کرب، آلام و مصائب، جبر و استبداد، تلخیاں اور الجھنیں، بے جسی اور بے رحمی سب کچھ یہاں اپنا جلوہ دکھا جائے ہیں! اور یوں افق تا افق اس کی شخصیت میں سمیٹے اور سموئے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

اکرام کاوش نے غزلیں اور پاہنڈ نظمیں بھی نہایت خوب اور عمدہ لکھی ہیں۔ لیکن زیرِ نظر مجموعہ "آبِ زر" اکرام کاوش کی آزاد اور چند ایک معزی نظموں پر مشتمل ہے اور آخر میں چند ایک ثلاشی بھی ٹیلاٹیوں کا رنگ رومنی ہے۔ اکرام کاوش کے ہاں رومانیت کی جھلک بھی مل جاتی ہے۔ لیکن ان کی شاعری کا مجموعی رنگ وہی ہے جس کو ہم عصری حیثیت کا حامل قرار دیتے ہیں۔ یوں بھی شاعری صرف رومانی اور اپنے جذبات و احساسات، ہی کا بیان ہو تو ممکن ہے وہ اچھی اور دلپذیر ہو لیکن مکمل نہیں ہوتی۔ عظیم

ہونا تو اور بات ہے اور صرف اپنے اطراف و اکناف اور حالاتِ حاضرہ ہی کو شاعر قلم کرتا رہے تو یہ بھی اخبار کی روپورٹنگ ہو جاتی ہے۔ حقیقی معنوں میں آپ اسے بھی شاعری نہیں کہ سکتے۔ شاعری کو توزاتِ حیات اور کائنات کا امتزاج ہونا چاہیے۔ شاعری انھیں عناصر سے ترکیب پاتی ہے اور ذات کا اظہار بھی اسی زاویہ سے کہ اس میں حیات اور کائنات کی آئینہ داری ہوتی رہے۔ مجھے اکرام کا وش کی شاعری کچھ ایسے ہی محسوس ہوتی ہے۔ اور اسی میں اس کی شخصیت کی عظمت ہے۔

اکرام کا وش نے ”تمہیدِ داستان“ میں نہایت ایمانی اسلوب میں اپنی داستانِ حیات ترقیم کی ہے۔ اور ان عوامل کا تذکرہ کیا ہے جن سے اس کی شخصیت اور شاعری دونوں تشکیل پاتے ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر ”آبِ زر“ کے مطالعہ سے متشرع ہو گا کہ اکرام کا وش کی شخصیت اور شاعری کن کن عناصر سے عبارت ہے۔ اکرام کا وش کی داستانِ حیات اس کی اپنی ہوتے ہوئے بھی اس کے اپنے قارئین کی داستانِ حیات ہے۔ وہی رنج و غم، کرب و بلا ریزہ زیزہ زندگی سمیٹنے کی سعی، خوشی اڑاتے لمحات کو گرفت میں لانے کی خواہش حالت سے بے اطمینانی لیکن اس سے بہر کیف نباہ اور ایک اچھے اور خوش گوارہ مستقبل کی تمثیلاً اور اس کے لیے سعی پیہم اپنے لیے، اپنے پچوں کے لیے، آنے والی نسلوں کے لیے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اکرام کا وش اپنے حالات سے مایوس نہیں۔ وہ جبرا استبداد کے آگے خود کو بے بس نہیں پاتا۔ اس

کے ہاں ایک اُمیّد ہے، رجائیت ہے۔ اس کے اپنے ذاتی حالات کی روشنی میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ وہ ان سب کے باوصف اپنی رجائیت کے سہارے ہنستا مسکر آتا زندگی کرتا ہے اور اس کی شاعری میں بھی بڑی جذبات جھلک جھلک جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کی نو تک شاعری رجائیت سے بھر پور ہے۔ اور پڑھنے والوں کو بھی اس سے ایک جذبہ اور حوصلہ ملتا ہے اور وہ زندگی کے غمون کو مسکراتے ہوئے ہوتے اور ہنسنے ہوئے آگے بڑھنے کی حرکیں پاتے ہیں۔ یہاں ایسی کہی نظموں کے حوالے دئے جاسکتے ہیں۔ لیکن خاص طور پر ”یہ صحراء چھوڑ ڈالو“ وہ چہرے بول اٹھیں گے“ اور ”اُمیّد“ وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ”یہ صحراء چھوڑ ڈالو“ کے آخری مصرع ملاحظہ ہوں :-

دہ دیکھو!

ستاروں سے ہے تردا من فال کا

سُنُو!

آواز اک جو گونجتی ہے

لہو میں شہد جیسے گھولتی ہے

ہر اک سو جیسے صندل کی مہک ہے

چلواب ساتھیو سوئے بہاراں

یہ صحراء چھوڑ ڈالو

اکرام کاوش نے اپنے گرد پیش پر عینی نظر ڈالی ہے اور ہر

سمت اور ہر سو کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ زندگی کی کڑاہیوں، پیچ و خم، اور لمحہ لمحہ گھلتے ہوئے ذہر کو وہ محسوس کرتا ہے۔ اپنی کئی منظومات میں اُس نے انہی شب و روز کی تصویر کشی کی ہے سچ پوچھئے تو وہ کچھ شاعرانہ مبالغہ سے بھی کام نہیں لیتا بلکہ کہیں قدرے واضح اور کہیں اشارہ یتی انداز میں خاصے اختصار کے ساتھ وہ سب کچھ کہہ جاتا ہے جس میں وہ بسر کرتا ہے۔ ”شہری دین“، ”انتظار“ اور ”حالات“ جیسی نظموں کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا۔

”حالات“ کے یہ مصرع :

آنکھیں کھوں کر ہر طرف کا نظر ارہ بھی کرنا چاہتا ہوں
اور سورج بھی روشن ہے

مگر حالات

آنکھوں پر پٹی با تدھنا چاہتے ہیں

اور ادھر ”انتظار“ کے یہ دو مصرع بھی متوجہ کرتے ہیں :

سبز سہرے پیلے زنگوں کی گلڈ نڈی پر چل کر

زیست کے پاؤں ہوئے ہیں شل

مزید بہ آں اکرام کا وش نے زمانے کی بے حسی بھی دراصل غم و

اندوہ کے بے نہایت اور آلام و مصائب کے فرزوں تر ہونے کا نتیجہ ہے۔

کسی خبر کی امید نہیں، کسی انعام کی توقع نہیں۔ انصاف کے درگویا بند ہو چکے ہیں۔ ایمان داری، اخلاص اور محبت جیسے سب بے اثر ہیں۔ بے ثمر ہیں۔

کچھ نہیں کچھ نہیں کچھ نہیں -

اکرام کا وَش کا ادب اور زندگی کے بارے میں جو بھی رجحان ہو اُس کے اس شعری مجموعہ سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ انسان دوست ہے انسان دوستی اس کا مذہب ہے اس کا ایمان ہے - ادبی طور پر بھی وہ اپنے آپ کو کسی گروہ سے نتھی نہیں کرتا۔ سیاسی اور معاشرتی طور پر بھی وہ ساری قدروں سے بالاتر اور انسانیت کے حوالے ہے - دراصل سچے شاعر اور سچے فن کار کا مسلک اور مذہب یہی ہوتا ہے۔ یہی ہونا چاہیے کہ اس عہد کو اسی کی ضرورت ہے۔ مثا لیں کہاں تک دیتا چلوں کہ اکرام کا وَش کے بیشتر منظومات میں ایسی نوع کے احساسات ملے ہیں خاص بات یہ ہے کہ وہ قدیم کا ماضی اور روایات کا جہاں احترام کرتا ہے نئی قدروں اور نئے طرز و اسلوب کا بھی دل و جان سے خیر مقدم کرتا ہے اس کی یہ راداری اور وسیع المشربی ادب میں بھی ہے اور زندگی میں بھی - "سمحوتہ" اور "خیر مقدم" کے دو مصرعے پیش کرول گا۔ ۰
۔ نئی کو اپنانا ہم نے بڑوں ہی سے سیکھا ہے
۔

مجھے خوشی ہے کہ اکرام کا وَش کی شخصیت کی طرح اس کی شاعری بھی قدیم اور جدید دولوں سے عبارت ہے۔ دونوں کا بڑا اچھا امتزاج ہے۔ نہ وہ ماضی کی فرسودہ روایات سے خود کو والبستہ کرتا ہے اور نہ نئے کے شوق میں بلے نکے پن اور ہمل گوئی پر اُتر آتا ہے۔ اس مجموعہ کو کئی

منظومات قدیم و جدید کے کئی ثبت پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ”بولنے لگتے“، ”رہائی“، ”وہ پیڑ“، ”ہر سمت میری تصویر“، ”اور کھرا بسایا ہوا“، دعہمہ دیسی چند منظومات ہیں:-

اردو شاعری اکرام کاوش سے اور زیادہ توقعات والستہ کرتی ہے۔ میں اس مجموعہ کی اشاعت پر اکرام کاوش کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

سلیمان اطہر جاوید

۱۹۹۷ء

شعبہ اردو

الیں۔ دی۔ یونی و سٹ

تروپیتی - (آنندھرا پردیش)

• منظرِ مطہر •

خداگواہ ہے دل میں مرے کسک جو ہے
 وہ ناطہ جوڑ رہی ہے نلک کے رستوں سے
 وہ ارض پاک کہ جس پر روضہ اقدس ہے
 مری نگاہ ، کے لب اس کو چونے کے لیے
 ہیں صبح و شام عجب بے کلی کے عالم میں
 مری نگاہ میں وہ منظرِ مطہر ہے
 کہ جس کی وجہ تحلی ہے دونوں عالم میں
 مری نظر میں رکوع و سجود کی ہے ضیا
 خشوع میرا ضیا بار ہے حمدِ دل پر
 ہر اکیل ساعدت اسعد کے خیر مقدم کو
 ہے میری روح کے جادہ پہاک اجالا سا

دُعَى

رستہ رستہ نور ہے
 تیسری ضو ہر دل میں ہے
 غم کا اندر ہیرا بہت گھنیرا
 حادی تھا اک اک پل پر
 وہ گھینکر ہے ہر لمحہ
 ذہنی سنجھی کو
 اس کو اپنے ہاتھ سے
 اب تو قتل بھی کر
 نیلے امبر کے نیچے
 اب اتنا ہنسوں کہ
 میری ہنسی کا سورج ہر سو آئے نظر

• تو کہاں ہے؟

میسر معبود
تیکر در بار میں
محب سجدہ ہے ادراک
اور ادراک کی وسعتیں
مگر
تو کہاں ہے.....

• کہاں تک چلوگے

کہاں تک
تم میسر ساتھ چلوگے
میں ہوں اک صحراء فرد
میسر قدموں تلے
سارا عالم سانس لے رہا ہے

• خاموشی کے سمندر •

میری خاموشی کے اندر رہبید کے
 کھنچتے سمندر جاگتے ہیں
 اور تمہاری نرم دشیریں گفتگو
 راستوں پر ہے غبار
 تم مری چُپ کا اڑاتے ہو مذاق
 ہاں تم ایسا ہی کرو
 خوب میکے رہا سطے
 تضمیک کا سامان کرو
 ور غلاد دشمنوں کو
 دوستوں کے دل میں جو میکے ریے اک دیپ ہے
 اس کو بچادو
 اک دین تم جان جاؤ گے
 مرے اندر چھپے چتنے سمندر ہیں
 وہ سارے گھر لئیں گے
 تمہاری گفتگو کی بیتیوں کو

• اپنی اپنی کالی صبحیں •

دستِ فضلِ زرد میں دستِ دُعا ہو
 دوستوں کے بعد کوئی اجنبی ہو دوسرا ہو
 مجھے حسرتِ دیدہ کو
 آہ و غم جیسی غذا ہو
 درد کم کم ہو کبھی حد سے سوا ہو
 آدمی وہ
 آسمانوں کی طرف جو دیکھتا ہو
 اور ستم اس سے نہ بولیں
 چُپ کا لمحہ پھیلتا جائے بہالے جائے ہم کو
 اسی جا جس جا ہر اک سو زمزمه ہو
 عطر میں ڈوبی ہوئی فضا ہو
 اور اس دم پادا آئیں
 اپنی اپنی کالی صبحیں

• ہڈلوں کے کان نہیں ہوتے

ہڈیاں دو چار ہیں
 ان پہ ستم بھلا اترائیں کیا
 بوڑھے کمر خمیدہ لمحے گھری نیند سوچکے
 اب انھیں جھگاتے جھگاتے میں کیا گرد و پیش کھی
 تیخ بستہ ہو گیا ہے
 منڈپ پر اُتری ہوی کالی رات
 الاؤں کی آنکھ میں ضم ہو گئی
 اور وہ پرندے جو سر شام اڑ رہے تھے
 سب جا چکے آشیاں نوں کی سمت
 اک زلزلہ سا جوف ضایں میں بکھرا تھا وہ تھم گیا ہے
 خلاوں میں کم ہو گیا ہے
 دو چار ہڈیوں کو کیا سنائیں بدلتے ہوئے زمانے کے قصے
 ہڈیوں کے کان نہیں ہوتے

رشتوں کی گلپوش شاخ

چند سطور لکھ کر جو سوچ رہا تھا
 ان میں جو لفظ اکھپے ہیں
 کس کا عطیہ ہیں
 میرے ماضی کا یا میری سوچوں کا
 کتابوں کا یا ملاقاتوں کا
 حواس و احساس
 یا میرے وجود ان کا
 تو پتہ چلا کہ
 ان سوالوں کے تانے بانے
 میرے اندر چھپی ہوئی تھوں میں ہیں
 جن کا جائزہ
 وقت کو لیت ہوگا

وہ چہرے بول انھیں کے

رقص تھمنے دو
 لے دھیمی ٹپنے دو
 فضا میں خامشی کی بیل پہ
 پھولوں کو کھلنے دو
 نہ بولو جپ پر ہو
 یہ لمحہ خود بولے گا
 اک دن
 سورجی ہاتھوں میں ہو گی
 اک صد اقدیل کی صورت
 اور اس لمحے
 اندرھیروں میں چھپے
 چہرے بول انھیں کے

• رہائی •

آرزو کے جز بیوے میں
مرے جذبے مرے افکار
برسون سے کسی کے منتظر ہیں
کون ہے وہ جس کے قدموں کے سُبک آہٹ کے تصور سے
ذہن و دل ہیں سجدہ رین
کوئی ساعت وہ ہوگی
جب کہ وقعت اپنے سجدوں کی کھلے گی
رازِ ہستی پر پڑے پردے سرکتے جائیں گے
لمحہ لمحہ چنخ اٹھے گا
اے میے قیدی نخل
آرزوؤں کے جز بیوے سے

• کالی مسّرت سے گر بزیر •

کہیں لمحاتی خوشی کی خاطر
 صدیوں کی آسودگی سے
 ناطہ توڑ لیا جاتا ہے
 تم ہی انصاف کرو کہ آخر
 وہ دل جس میں بے پناہ محبت ہے
 وہ نظر جس میں اُفق تاب روشنی ہے
 وہ گفتگو جو حضر راہ فکروں میں ہے
 وہ ساتھ جو بہاروں کا نعم البدل ہے
 وہ تحریر جس سے روح بالیدہ ہے دماغ روشن ہے
 ان سب کا کیا ہو گا
 کیا مصلحت صداقت کی جگہ لے سکے گی
 اُن دنوں کو تم کیسے بُھلا سکو گے
 جن دنوں کچھ لوگ گروہ میں بٹ گئے تھے حملہ اور ہوئے تھے
 یہ رات رات ہے اے دوست
 تم بغور دیکھو اس شب تیرہ و تار کو

میکروں لے میکے جذبے میکے جنون کو تو دیکھو
 خدا کے لیے بغور دیکھو میرے دامن تارہ نار کو
 تم عدل کی ڈورا پنے ہاتھ میں لے لو
 اور گریز کرو
 اس کالی مت ر سے

• انسان •

انسان مرکب ہے اضداد کا
 کبھی یہی سورج ہے روشن دن جہاں تاب
 تو کبھی یہی شبِ دیجور کے دامن میں ستاتا ہے
 کبھی تدبیر کی ڈگر پر چل کر منزلِ مراد پالیتا ہے
 تو کبھی تقدیر کی چهار دیواری میں مقید ناچاروں بے بس ہو جاتا ہے
 کبھی یہ بھولوں کے ہار گوندھتا ہے
 تو کبھی یہی انسان حالات کے ہاتھوں شکست کھا کر
 منہ لٹکائے بیٹھ جاتا ہے
 یہ انسان کبھی جابر ہے قہار ہے تو کبھی یہی حليم ولطیف ہے
 حلم و کرم کے نعمتوں کا رسیا ہو جاتا ہے
 انسان آخر کیا ہے ایک معتمہ ہے

ایک سیدھی سادی ڈگر کا نام ہے

• ایک قوت ایک حقیقت

چند ساعتیں وہ نور پرور
 پچھے لمحے وہ سرور پرور
 جو دوستوں کے درمیاں گزرے
 ان ساعتوں کا ان لمحوں کا سلسلہ
 سانسوں کے ساتھ جاری ہے
 وہ لمحے اب حصہ ہیں میری زندگی کا
 اُن کی خوشی اُن کی رات عجب ہے
 اُن کی قوت اُن کی شوکت عجب ہے
 اس تخفے کو اس نعمت کو کیا نام دوں
 کیا ان لمحوں کو ساتھی کہوں یا دمساز
 کیا انہیں الفت و محبت کے نام سے بلاؤں
 کیا انہیں سچائیوں کے نام سے پکاروں
 اسی سوچ سے دل دوچار ہے
 اسی سوچ سے ذہن شزار ہے

• جاگتا در •

جتنے بھی در ہیں
 وہ بند ہیں
 اور میں
 کشمکشِ زندگی سے تنگ آکر
 شہر کی تیرہ و تاریک گلیوں میں
 اداس مایوس تہنا
 نہ جانے کب سے گھومنا پھر رہا ہوں
 اس امید پر کہ شاید
 اس کے طول و عرض میں
 کہیں کوئی ایسا درملے
 جو میری ہی طرح
 مدت سے جاگ رہا ہو

• تغییر کی طفر •

تیز رو دنیا
 خوش واقار ب شناس سبھی لباس بد لتے رہے ہیں
 دوست بھی نئے چھروں کے دلدارہ ہو رہے ہیں
 اجنبی بھی کافی نرالے نظر آتے ہیں
 گاڑیاں بھی اب بدل گئیں
 ان کی تیز رفتاری بھی دن بدن ٹپڑھ رہی ہے
 راستے بھی اب بدل رہے ہیں
 نظر پیں کئی نئی چیزیں آ رہی ہیں
 جن باتوں سے ذہن متحیر اور
 جن حادثوں سے دل متاثر ہوتے تھے
 ان باتوں ان حادثوں سے اب کچھ
 ہلچل تغییر یا تبدلی نہیں ہوتی
 کیا ہمارا احساس کمزور ہو چلا ہے

ہر سمت میری تصویر

را کھ کر کے
 میسر خلوص کا پیکر
 خوش ہے دہ
 کہ اس نے مجھ پفتح پالی ہے
 مگر اس کو
 کیا خبر ہے کہ
 اک دن
 اسی را کھ کاہر ایک ذرہ
 ہواں میں اڑ کر
 ہر ایک نہت سے
 میری ہی تصویر کھینچے گا

نیارشتم

چلتے پھرتے جسموں کا رشتہ
سانسوں تک محدود
قبر سے آگے
کون کس کا ہے ؟
کس کو خبر

نظارہ

سیاہی پھیل کر
روشنی کے وجود میں ضم ہو گئی
اور ہم چُپ چاپ
بلندیوں کی آنکھوں سے دیکھتے رہ گئے

نفسِ آمارہ

اک مدت سے
 وہ وحشی
 میرے اندر بند تھا
 پھر سے وہ
 زندگی سے باہر آگئیا ہے
 تاکہ ہر اک گام پر
 حستوں کے تازیانے سے
 مری خاطر کرے
 تاکہ پھر
 صبر کے رستے پر
 میری بدنامی میں
 کچھ کسر باقی نہ رہے

• جمالِ فن •

نہی لفظوں کی
 افکار کے جنگل سے بہ کر
 فکروں کی
 دھرتی کو سیراب کرتی ہے
 فردوسِ نظر یہ جو آبشار ہے
 اس سے روح بالیہ ہوتی ہے
 اس کا جواہر ہے
 شاید اسی کو روحِ نظم کہتے ہیں
 شاید اسی کو حُسنِ غزل کہتے ہیں

بُرْكَفْتَگو

گفتگو کے صراکا
 ہر لفظ مثل تخم
 منتظر ہے کب سے
 ابلاغ کی ہوا
 لے اڑے اس کو
 اور اق کی وادیوں تک
 جہاں کی آب و ہوا میں
 ہر ایک یونج
 پھول پھل کر
 ایک شجرِ سایہ دار بنتا ہے

نُقْرَنِی سوچ

وہ سانپ جو
 جو بائی بنائے پیٹھا ہے
 میرے بدن کی رگ رگ میں
 سوچتا ہوں
 تاحدِ نظر
 ان سلگتے ہمکتے لمحوں پر
 نُقْرَنِی سراپوں پر
 اس کے زہر کو اچھال دوں
 ناکہ
 جھوٹ کا چہرہ
 اور ابھر کر سامنے آئے

• تہائی کا زہر •

یہی محسوس ہوتا ہے کہ تہائی کا زہر
 کرچکا اپنا اثر
 اور حرف حرف
 سارا خون اپنا پنی چکا
 مثلے ہیں سلسلہ درسلسلہ
 اور ایسے ہیں
 کارداں لفظوں کا
 سینہ فرطاس پر رک کر
 یہ صداد یعنے لگا ہے
 وقت کی آواز نے نسل بعد نسل
 سوئے ذہنوں کو جگایا ہے
 آنے والی نسل
 اس لحن فکر آگیں سے حظ اٹھائے گی
 مستفیض و مستفید ہو گی
 اور اس کی تنویر سے
 سارا عالم روشن ہو گا

انتظار

دو پیسے کچھ دن دو باتیں
 چند دقیقہ سانسوں کی ہے آمد و رفت
 چورا ہے پر حیران ذہن ہے
 آنکھیں ہیں
 ظاہر پہ لگی
 سبز سبزی ماضی کی پگڑی پر چل کر
 زیست کے پاؤں ہوئے ہیں شل
 دیکھئے کون سارستہ
 لے آتا ہے اپنے رب بر کو
 سُتتے ہیں وہ
 صد ہا سال سے محوس فر ہے
 میری جانب
 سب کی جانب

یہ صحراء چھوڑ ڈالو

چواب سا تھیو سوئے بہاراں

یہ صحراء چھوڑ ڈالو

فضا میں

قہقہے اپنے اچھاں

سہری شام کے سائے ہیں اچھے

سرخ، پیلے

وہ دیکھو!

سا ہنے جو ہے سہندر

اسی کے پاس دریا جاگتے ہیں

مٹاو جشن یا اودھم مجاو

تمہاری تشنگی ٹھنڈی پڑے گی

وہ دیکھو!

ستاروں سے ہے تردا من فلک کا

سنوا! آواز اک جو گو بختی ہے

لہو میں شہد جیسے گھولتی ہے
 ہر ک سو جیسے صندل کی مہک ہے
 چلو اب ساتھیو سوئے بھاراں
 یہ صحراء چھوڑ ڈالو

• بولتے لمحے •

میرے ہی اندر جو چھپ کے بیٹھا تھا
 گھپ، اندر ہی را
 وہ مثل افعی نکل کے گھوما
 تمام گلشن میں نغمہ بے خودی سے
 جو اک کون سا تھا
 اسی کو اس نے نکل لیا ہے
 سکوت سارا فنا ہوا ہے
 ردائے تنور یہ چاک ہو کر ٹسنا رہی ہے
 فنا کے قصے پُرانی پُسری ہوئی محبت کے غم کے قصے
 سرور و نغمہ
 ڈھلا ہے اب غُل غپاڑے میں کیوں
 یہ کون سی بھولی داستان ہے
 جو مجھ کو کوئی ٹسنا رہا ہے
 کہ جس سے دل میں ترپ پہے لیکن
 ہنوزہ ہیں میرے ریس میں کتنے ہیں ایسے لمحے
 کہ جن کو میں گر کہوں کہ بولو
 تو بول اٹھیں گے

• لالہ صحرائی •

دریا کئی محوں کے
 پتھر کی لکیروں کے
 جب راز بہالاۓ
 احساس کی دنیا کی
 مر جہانی بہاروں کو
 پھرتا زہ لہو دینے
 جب وقت کے پنگھٹ پر
 آئی ہیں عزائم کی
 مرمر سی حسینائیں
 اے لالہ صحرائی تو یاد بہت آیا

غزل چھیرنے دو

گفتگو بھی ہے خوشی بھی
 خوشی بھی ہے رنج والم بھی
 کیسی محفل ہے
 کہ حیراں بھی ہوں میں شاد بھی ہوں
 دوستی بھی ہے
 جلن اجنبیوں کا سا بھی
 اس فضاسے ہوں میں رنجیدہ
 میں افردہ ہوں
 دوریاں دھند اندر ہیروں کا فسون تہماںی
 یروہ نکڑ ہے جہاں
 بپیں بھی تھمی جاتی ہیں
 ایسے لمحوں میں تصور کو مرے
 بر بٹ غم پر غزل چھیرنے دو

میں اور مُحّمَّد

دل میں تمہارے کیا تھا
 وہ میں جانتا تھا
 مرے اندر رجو اجالاتھا
 اس سے بھی تمہاری آنکھ غافل نہ تھی
 مگر کیجئے کیا
 جو میری اذیت تھی وہی تمہاری راحت تھی
 دن دن کی بات ہے وقت وقت کا تقاضا ہے
 دن ایک ڈگر پر کہاں چلتے ہیں
 صدیوں کے بعد
 ندیاں بھی اپنا رُخ بدل دیتی ہیں
 اور کھرٹم تو ٹھہرے آدمی
 مگر آدمی کا دل خلوص کامرا محبت کامرا بھی تو ہوتا ہے
 اے کاش !
 دل کی گہرائیوں میں جھانک کر
 ہم ایک دوسرے کو
 پہچان لیتے

• درونِ خانہ •

انسان کے اندر کبھی سمندر ہیں کئی
 گھپائیں ہیں کئی
 انسان کے اندر کے سمندر کبھی
 اُب لتے ہیں
 اندر کی گھپاؤں میں بھی ہوتی ہے
 چیخِ پکار
 انسان کے اندر ہیں ہرے باغ کئی
 ان میں بھی کبھی چلتی ہے مسموم ہوا
 یاد آتی ہے اس وقت بہت بادِ صبا
 یاد آتے ہیں اس وقت سہمانے موسم
 اُس وقت ستانا ہے غم تہرانی
 اُس وقت عجب ہوتی ہے دل کی حالت
 اُس وقت خوشی ہی مزہ دیتی ہے

قطع پڑا ہے انسان کا

صدیاں صدیاں بیت گئیں تو بھید کھلا
 قحط پڑا ہے انسان کا
 ریت رواج کہاں تک یکساں چلتے
 وہ تو بدلتے رہتے ہیں
 ان کو گلے کا ہار بنانا ٹھیک نہیں
 لمح سحر آگئیں میں جب تک گیت سُلنے والوں نے
 رس کھولا نہ کا کاؤں میں
 تب تک رُدح بھی بالمیرہ تھی
 دل بھی تھام سرور بہت
 اب یہ حال ہے چورا ہے پر شور ہے غُل غپاڑا ہے
 آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے
 پھر بھی مجھے یہ لگتا ہے
 قحط پڑا ہے انسان کا

عید

صح کا وقت تھا

طوبیع آفتاب ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی
میں اپنے گھر کی کسی مانگ کو پورا کرنے نکلا تھا
دل میں طرح طرح کے خیالات تھے
جن کا تعلق عید سے کم اور اپنے روزمرہ کی ضروریات سے زیادہ تھا
بچوں کا خیال دوستوں کے روئیے اور رشته داروں کے نیور
رہ رہ کر تنگ کرنے لگے

نہ جانے قدم کس سمت اٹھنے لگے
اور اس بے خودی کے عالم میں
میں بڑھتا گیا بڑھتا گیا سورج کی طرف
اور سورج تھا کہ مجھ سے دُربھاگ رہا تھا

میر اسپر نہیں رکتا

منزل منزل رستہ ہے
 میرے لیے ہر ایک قدم
 اک اک صدی کی مسافت ہے
 یہ اک بکتہ اتنا نازک
 سوچ سے کتنا والبستہ ہے
 میرے سفر کو لمحوں میں
 وقوفیں کیسے بانٹ سکو گے
 میر اسپر اباد سے ہے
 میر اسپر نہیں رکتا
 اور میری کوئی منزل بھی نہیں

سزا •

ماضی کے دھنڈلکوں سے
 جب بھی اُبھرا ہے
 تمہاری یاد کا سورج
 نہ جانے کیوں
 میری رامبوں کے
 اندر ہی کراور گھرے ہونے لگتے ہیں

وہ منظر جاگتا ہے

مری نگاہ میں اب تک وہ منظر جاگنا ہے
 وہ منظر جس میں تم تھے میں تھا اور سب تھے
 سب مگر خاموش تھے
 چلے آؤ کہ خاموشی کا دور کھلنے لگا ہے
 فضائیں بھی ہیں نم دیدہ
 چمن میں برگ و گل بھی ہیں پریشان
 کسی بھولے مسافر کا فسانہ چھڑ گیا ہے
 کسی اخلاص کے مارے کا قصہ پھر سایا جا رہا ہے
 چلے آؤ
 مگر یہ شرط ہے اس وقت
 کسی بھی آنکھ میں آنسونہ آئے

• میرا قصہ •

زمانے دیکھئے
 بہار آئے
 ستارے چمکیں
 صبا کے جھونکے بھی آئیں جائیں
 رُتوں کے پنچھی صنائیں نغمے طرح طرح کے
 مگر وہ آنسو وہ فطرہ خون
 سرِ مرہ جو چمک رہا ہے
 نظر نہ آئے
 جو دل میں تصور یہ بن رہی ہے کبھی نہ ابھرے
 نظر نہ آئے
 سرافیق جو چمک رہے ہیں حسین ستارے
 صنائیں ہرگز نہ میرا قصہ

• ایک بات •

اپنے عریاں جسم کا
 پردہ نہیں
 اپنے ٹیپ ذہنوں میں ہے
 آنکھ کے در در دا ہیں
 وحشی خونخوار
 بھوکے بیٹھے ہیں
 مزہ ہر عضو کا
 ہر زبان کی نوک پر بیدار ہے
 وہ گدگدائے گی تمہیں یا خون رُلائے گی

سوچوں کی نہیں

تاریخ ادب
 تیرے
 ہیں سنگِ لحداب تک
 محتاجِ تعارف کیوں
 کچھ لوگ مقالوں سے
 بھولی سی کتابوں کو
 پھر زندگی دیتے ہیں
 شعراء کی حمایت یہیں
 یا اُن کی خوشامد کو
 کچھ لکھ کے سمجھتے ہیں
 اک تیر چلا یا ہے
 ہندو میں ادبیوں کے
 ایک دیپ جلایا ہے
 سوچوں کے بیوں پر ہے
 ایک نرم اجالا سا
 کیوں اہل نظر چپ ہیں

۰ ۱ دلمحہ

جو بوندھ پشم ناز سے ٹپکی وہ کیا ہوئی
 اے وادی طرب
 اے وادی حسین
 وہ لمحہ کیا ہوا جسے میری تلاش تھی
 بتانہا جس کو شعر کا لطف
 نعمات کی ضیاء
 یا شعلہ صدا
 یا لمس روح پر در
 اے وادی طرب
 اے وادی حسین

• ایک درخواست •

وہ دُور اُفق پار دھوائیں چھٹتا ہے
 چند کھڑوں میں مری جان
 رس گھولے گی پسیے کی صدائ کا نوں میں
 اور تہائی بختہ پاھل جائے گی
 مری محروم راز
 نعمہ عشق ابھر جانے دو
 بھاگتے نجوم کو رک جانے دو

• دائروں سے دُورہ •

دائروں سے اوپنچا اٹھیں
 پہنگ و تاریک قفس
 اُن سے گھٹن ہوتی ہے
 آئیے باہر نکل کر
 ایک بڑے دائے میں چلیں
 کیوں کہ حلقوں بگوشی ہماری سرشنست میں ہے
 اور ماضی قریب و بعدید کی
 جھلاہٹوں کا تاخوشنی کا ترشی اور تلمخی کا
 نوحہ پڑھیں

• آرزو کا صحراء •

ہر طرف خوشی ہی خوشی ہے
 دھوپ ہے حدت سی ہے
 دُور تک ریت ہے جو جلتی ہے
 ایک سایہ بھی نہیں
 نقشِ قدم تک بھی نہیں
 الیسی تہائی میں ارمان مرا
 جو کہ تشنہ ہے کئی صدیوں سے
 کاش ایسے میں کوئی آجائے
 جس سے تہائی مٹے
 کاش یہ خاموشی
 نرم اور خنک بوندوں کی
 برسات ہو جائے

مخالف سمت کا ذر

مئے پرستی مئے کشی
 چھوٹے چھوٹے دائروں میں خوب تر ہے بے ضرر
 اب سے پہلے
 خوشی کے پیکر آتش فشاں سے
 چپکی نیلی فضاوں کے دھوئیں سے
 سوزش آہ و فغاں کے سب
 پی کے جو بہ کا تھا
 وہ نادم ہوا ہے اپنے کئے پر
 اس کی شرم ساری جیسے نورہ زا ہے
 اور وہ جس نے نہیں پی
 وہ نیلی دھنڈ پھیلار ہا ہے
 شاخ خون دل کو آتش دیدہ کر رہا ہے

وہ پیر طر

وہ پیر

جو کئی برسوں سے میکر سینے میں

نہاں ہے

خون میرا پیتا ہے

کہ جس کے سائے میں

بے زبان گلہریاں

تصور فصلِ بہار میں غلطان

مجھے ہی پرخت دہ لب ہیں

طویل مدت سے

میں اپنے آپ کا نوحہ لکھوں، قصیدہ لکھوں!

عجیب لوگ ہیں پتھر کے شہر کے کادوش

مجھے بھی سے پوچھتے ہیں

میکر زخموں کا مزہ

میں چپ کے کھر میں ڈوبا ہوں

کہیں میکر بدن کے ہمو کو بجھانہ دے سُورج
 کہیں میکر شکستہ مکان کو گرانہ دے آندھی
 مجھے اور میکر دنیا کو بہانہ دے سپلاپ
 کہیں اس شجر کا نشان تک مٹ نہ جائے

• شہری دین •

بظاہر
 باریغ آرزو میں عمنادل نغمہ سراہیں
 ڈل کی بستی میں جشن ہے
 رہکن زار نہ ندگی پر چراگان سا ہے
 مگر چھپ کر بپور وشنسی ہے
 وہ خوشی کا ہر گز رہگز بدلتی نہیں
 وہ تو شہر کی ایک دین ہے

۔ نم و پیدہ صح

شنگ دھیکر دھیکر ہوتا ہی گیا
 رات کا گھیر امیکے اطراف یوں
 جیسے خونین ہاتھ کوئی
 ہو کسی معصوم پر
 ہاں کبھی دنیا کہے گی مجھ کو
 وہ مظلوم تھا

قاتل اس کے حق کے دشمن سخت دل لیکن بہت کمزور تھے

جمود

بڑی دیر سے دیکھتا ہوں
 کہ دیوار پر کچھ لکھا بھی نہیں ہے
 کہ کوئی بھی چُپ ہے
 اور فصل بہاراں بھی چُپ ہے
 مگر چند سائے جو آجارتے ہیں
 وہ دیوار کوئی اور شاخ گل تلک جاکر
 بنھلتے ہیں محو فغاں ہیں
 یہ چُپ کیسے ٹوٹے
 وہ نغمہ جسے سن کے دل جھومتا ہو
 بھلا کیسے اُبھرے

• کیا نام دوں اس زندگی کو •

نام جس کا زندگی ہے
 اس کا چکر چل رہا ہے
 کل جو میرے ہم نوا تھے
 گردشِ دوران نے ان کو
 لا کے ٹھہرا�ا ہے اب م مقابل
 اجنبی کے بھیس میں یاد شمنوں کی شکل میں
 بولتے جاتے ہیں وہ اور چپ کا دل دادہ ہوں میں
 کوئی کہے اس زندگی کو
 کیا نام دوں میں

حدوں کو توڑو

مجھے بہشتی بنائے چھوڑا مرے گماں نے
 بہشت میری میری ہی اپنی
 تصورِ بے بہانے مجھ پہ غصب ڈھایا ہے
 میرا یقین

میرا یقین تو سہری خاموشی میں چھپا ہے
 وہ جب بھی نطق لطیف پا کر نکل پڑے گا کھلی فضائیں
 صدایہ گونجے گی چار سو

ازل کا رشتہ ابد سے جوڑو

کہماں کا ادنی کہماں کا اعلیٰ
 حدود وہ گھٹا میں الفت بڑھائیں

نفرتوں کو توڑ کرے
 فلک تک اٹھو

ضیاۓ شمس و قمر سے
 تم اپنا دل سجاوُ

اور کچھ ریسا ہوا

میری تحریریں تھیں جتنی مت گئیں
 میری تصویریں دن کو دیمک کھا گئی
 راز جو تھے ردز روشن کی طرح
 ان پہ پہ دے پڑ گئے
 دل کی لستی سے جواٹھی تھی صدا
 ذہن سے جور و شنی آئی تھی
 اس کا کیا ہوا
 کتنے ارمان کتنے خواب
 کتنے نغمے
 آج تک ہیں تشنہ کام
 کون سے چہرے کا جادو
 کون سے رُخ کا انثر
 موڑ یہ دکھلا گیا
 کوئی کہتا ہے کہ وہ تقدير ہے
 کوئی یہ کہتا ہے وہ تدبیر ہے
 کوئی کہتا ہے کہ وہم
 کوئی کہتا ہے یقین

۔ شبات کہاں

پھول کھل شاخیں وہی
 باغ بھی
 اپنے پرانے سب ایک سے
 رشتے ناطے بھی وہی
 چاند تارے آسمان اور گرد و پیش بھی وہی
 پھر بھی دل کیوں
 مانتا کچھ بھی نہیں
 ہر ڈگر ہر لمحہ تبدیلی کا ہے
 ایک اک روشن پر
 کون سی شے ہے یہاں
 جو بدلتی ہے

• خاموشی سے پہلے •

درد کے انبار سے
 جذبات جھانکے
 اس طرف
 جس طرف میری تماؤں کا دلکش باغ ہے
 اور ایسے میں کسی نے نغمہ الفت چھیرا ہے
 اور پردوں میں چھپی ہے سرخوشی
 لے دل تو سُن یہ آواز کیسی
 انتظارِ آمدِ فصل بہار اک کب تلک
 یہ جو لمبے ہیں انھیں میں غرق ہو جا
 ورنہ آنے والے لمبے موج بحر بیکران بن جائیں گے
 تو فصل بہار کا انتظار نہ کر

آخری گھونٹ

کس کو پتہ کل کیا ہوگا
 ذوقِ نموسے سانسیں میری ہیں سرشار
 گویا
 لمحے گھنگرو باندھے رقص میں ہیں
 ہر سو گلاب کی صورت نغمے ہمکتے ہیں
 کس کو پتہ کل کیا ہوگا
 یہ جو خنک اُجائے ہیں
 یہ امید کا کیف جو ہے
 جب ان کی جگہ
 سورج قاتل بن کر اُبھرے گا کیا ہوگا
 کیوں نہ ہمکتے لمحوں کو نچوڑ کے میں
 مرتلوں کا آخری گھونٹ بھی پی جاؤں

اُمید

وہی ہیں لوگ وہی بندم دوستاں ہے ابھی
 مگر چراغ پُرانے بدلتے جاتے ہیں
 نئے چراغوں کی تنویر پھیل جانے دو
 کہ نور کو بھی بدلتا ہے پیر سن اپنا
 مگر انڈھیروں کے تیور غضب کے ہوتے ہیں
 دلِ حزب میرا اس واسطے سے ہے خوف زدہ
 مگر اُمید بھی ایک چیز ہوتی ہے ہمدم

کس سے پوچھوں

خلوص کا وہ اک لمحہ
 جس کی وسعتوں میں
 ان گنت سورج
 لئے تیر کے لمس کا احساس
 میری سوچوں کے افق پر
 آج تک
 کس لئے چمکتا ہے
 خلوص کا وہ اک لمحہ

• حالات •

چُپ کی مہرگائے بیٹھنے میں مزہ آرہا ہے
 مگر نطق کا پنجھی بھی اپنے پر تولتا ہے
 کیا کیجئے
 زمین پتھر لی بھی نہیں
 اور برسات بھی ہورہی ہے
 آنکھ کھوں کر ہر طرف کا نظارہ؛ بھی کرنا جاہتا ہوں
 اور سورج بھی روشن ہے
 مگر حالات
 آنکھوں پر پیٹی باندھنا چاہتے ہیں

• ایک شاعر کی موت پر •

تور کر بدن کی دیواریں
 وہ چلا اٹھ کر
 کاغذی مکانوں سے
 جانبِ ملکِ عدم
 مگر اس کا لکھا
 شعر و نغمہ بن کر
 فن کی راہوں پر
 ہم سے گویا ہے
 ”میں صدیوں کی ہوں تابانی
 میں قدر کے ماتھے کی ضو ہوں“

خود آگئی

مجھے مصلوب کرنے والو
 بین ممتازی ہوں قافلے کا
 جسے خبر ہے
 اپچھے بُرے کی
 ماضی اور حال اور مستقبل کی
 اور میرا حرف ر حرف
 منزل نما ہے

• بہاعتبارِ مجموعی •

نفرت کا مارا
تھکن سے چور
جو تہسا آیا تھا

اس کو محبت دے کر چھاؤں میں بٹھلا کر
اس کی آنکھیں نورہ اُندھیلایا تھا،
ام نے
اب جو صد بیاں بیت گئی ہیں
گُنمی کے غاروں میں
پکھے تازہ جذبے
اس کے ساتھ سلگتے پھرتے ہیں ہر دم
اس کی آنکھ سے نور کے بد لے اب تو شعلے نکلتے ہیں
وہ بیمار بہت بیمار ہوا جاتا ہے
اس کے دل میں یادوں کا جو ملپہ ہے
اس میں اپنا دل بھی ہے
آؤ لے آئیں دل اپنا،
ام اس ملپے سے
صحت کا امکان رہا تو دعَّا کریں

کتبے

وہ شہر

جہاں نہ کوئی نقش پا ہے اور نہ کوئی ہنگامہ ہے
 جہاں ایک بے نام خاموشی ہے ہر سمت
 جہاں ہر فر کر کے سر قلم ہیں
 جہاں درد والفت کا ہر شستہ شکستہ بخت بنتہ ہے
 جہاں ہر صدا صدائے صحراء ہے
 جہاں ہر راہ آہِ نیم شبی ہے
 جہاں سے چُپ کی سرحدیں توڑ کر
 اب تک کوئی نہیں پلٹا ہے
 جس کے گواہ ان گنت پتھر ہیں
 جو کھڑے ہیں برسوں سے
 پامال قبروں پہ
 لئے اک فرمان
کل من علیها فان
آؤ دہاں کی سیر کر آئیں

خوف

نفرت ہے
 مجھے جس کے
 سائے سے بھی
 نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوتا ہے
 کہ وہ ایک عرصے سے
 چُپ چاپ میکر اندر
 اک بانہی بتائے بیٹھا ہے

• بڑھو خدا کے لئے اُس کے خیفتہ دم کو •

بہت عزیز ہے جاں اس کی دیکھ بھال کرو
 خدا کے واسطے اپنا بڑا نہ حال کرو
 لگے جو رالم ہیں تم ان کا اندر مال کرو
 یہ بلبلہ جسے تم زندگانی کہتے ہو
 تم اس پہ تکیہ نہ سرگز کرو خدا کے لئے
 جہاں رُک جاؤ وہی ہے آخری منزل
 چھلک رہے ہیں خوشی کے ایاع تو چھلکیں
 پیک رہے ہیں اگر آنکھ سے تو پیکیں اشک
 خوشی کا غم کا کبھی تم نہ اعتبار کرو
 یہ دھوپ چھاؤں تمہیں روکنے نہ پائے کبھی
 وہ دیکھو دوست تمہارا ادھر سے آتا ہے
 بڑھو خدا کے لئے اُس کے خیفتہ دم کو

• تبدیلی •

دُور تک سہمانے گیت سنافی دیئے
 سفر اچھار مل
 موسم خوش گوار تھا
 منزل پر وہ چہرے بھی نظر آئے
 جن کی عادتیں گویا قند ملیں تھی دوسروں کو راہ دکھانے کی
 جن کے پاس محفوظ تھا تمام صحیفوں کا تقدس
 جن کی سورج جذبات سے لیس تھی
 جن کی تنہائی روشن تھی
 جن کی جلوت ٹھیکی ہونی تھی
 ایسی بات ہونی کہ جبلی کونڈی
 جس سے سکون پرور احساس خاک ہوا
 مگر کیا ایسا ہمیشہ ہوتا ہے

• عَدْلُ كَمْ آنکھوں میں ضوہرِ عَدْلِ كَمْ

وادیوں میں یاس اور امید کی
 مضطرب آنکھوں کو ہے کس کی تلاش
 نکتہ داں مل جائے کوئی
 جس سے سُبْجھیں گتھیاں ادراک کی
 اور چھٹے بادل کے ہر عدل چمکے
 چہرہ قالون سے پردہ اٹھے
 ذرہ ذرہ ہونمایاں
 نیک و بد میں فرق ہو
 اور ہاں تاریخ کی
 محوتناۓ عدل ہو
 منصفانہ شان بھی اک چیز ہے
 نکتہ داں اور سچ کی پاسداری میں ہے وزن
 سچ تو یہ ہے کہ کوئی بعدِ استغفار تو
 سوچ سکتا ہے مگر

ڈسمسل کے بعد کوئی کس طرح
 مانگے استحقاق کو
 آج کس نے، یہ سنایا فیصلہ
 لازمی ہے مرد پر بعدِ طلاق
 نان نفقة عمر بھر دیتا رہے
 عدل کی آنکھوں میں ضوءِ عدل کی
 عدل کی آنکھوں میں آنسو بھی نہ ہوں
 عدل کی آنکھوں میں کیسے مصلحت کی روشنی
 عدل کی آنکھوں میں ضوءِ عدل کی

میکروطن

جو بولیاں ہیں ان گنت تو رنگ بھی ہزارہ ہیں
 کہ ہنسٹے گاتے راستے یہاں کے بے شمار ہیں
 مرے وطن کی باس بو ہے مثل شمع ضُوفشان
 اس کی ضُوسے نور ہے
 ہر ایک سورُور ہے
 اسی کی خاک سے اٹھتے تھے میکر سارے رشتہ دار
 میں ان کے سلسلے کی اک کڑی ہوں

 میکر خون میں
 روای دواں ہیں اس کے بھید
 اس کی چاہ سے
 مرے لیوں پر جا گتے ہیں نغمے صبح و شام
 اسی کے انس سے ہے سہیل زندگی
 مرے وطن کے پاس بیاں کئی ہزارہ
 ان کی یاد
 سینے میں جلا سے رکھنا فرض ہے

میکروطن سے اکتابِ نور کر کے
 کتنے دور ہو گئے ہیں سورخ رو
 مگر جو آج
 راستے کٹھن ہوئے ہیں
 ہر طرف جو دھند ہے
 میں ایسے میں پرائے گیت چھیر کر
 تماشا اک دکھاؤں گا
 مرے وطن کی خوبیاں گنواؤں گا
 کر دھند چاک چاک ہو
 ہر ایک مقام ہر روش پہ
 رہنڑوں کا سر ججکے
 دُھلی دُھلی فضا وطن کی ایکتا پہ دال ہے
 کہ دُور دُور تک ہر اک نگاہ میں
 مرے وطن کا چہرہ خشین ہے

نوش فہمی

آج سے پارچ ہزار برس پرانے گاؤں کے
 سب سے پہلے اُگے بوڑھے پیپل کے نیچے^پ
 پرانی نسل کے کچھ بچے کچھ لوگ
 دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لیے بیٹھے تھے
 ان کے بیچ سب سے سن رسیدہ شخص بول رہا تھا
 بھائیو سُنا ہے اب آسمان سے کوئی چیز نہیں آتی
 نہ صحیفے نہ اوقات نہ پیغمبر
 سوائے اس کے کہ یعنیہ برستا ہے
 سُنا ہے ادھر قدر میں پامال ہورہی ہیں
 نہ سیاہ سیاہ رہا نہ سفید سفید
 مگر شکر ہے کہ ہمارا گاؤں
 باہر کی وباوں سے محفوظ ہے
 بوڑھے سامعین کے ہاتھوں میں رعنہ تھا
 وہ سب کی حامی بھرنے لگے
 اور اس وقت مجھے اپنا کام یاد آگیا
 میں زیرِ لہب کرتا تا آگے بڑھ گیا

سمجھوتہ

مشینوں کمپیوٹروں اور نئی ترقیوں کے درمیان سے
جو ابھر ہے نئی آنکھیں اور نیا ذہن لیے
نئے طور طریق نیا انداز نیالب و لمحہ لیے
اس انسان کو کیا نام دیں
آخر وہ بھی ہمارا ساتھی ہمارا اپنا ہی تو ہے
اس کا ہمارا خون ایک
اس کا آسمان اس کی زمین ہماری زمین و آسمان ہی تو ہے
آب و دانہ بھی اسی زمین کا ہے
جس کے ہم اور وہ باسی ہیں
اس نے آدمی نے کچھ کہا ہے
او بغور مُنین کہ دہ کیا کہہ رہا ہے
تاکہ وہ ہم سے بھی ہماری بات مُسنبے
اور ہم نے جو کتابیں پڑھی ہیں
اُن کا بھی وہ بغور مطالعہ کرے
اس طرح ہم دونوں کی دوستی قائم رہ سکے

سوتے بچاری رہتے ہیں

شناور گھر سے سمندروں میں اُترے
 موتی لائے اپنے لیے اور دُنیا کے لیے
 موتی جو قدرت کے بہا عطیہ ہیں
 زیب و زینت کا سامان ہیں
 موتی کے ذکر سے موتی جیسے دانت والے یاد آئے
 جن کی آنکھیں ہر فی جیسی چالستی بھری
 جن کی ادائیں غضب کی
 مگر شب و روز کا یہ لامتناہی سلسلہ
 اس کی زد سے کون بچ سکا
 موتی جن تاجوں کی زینت بنے تھے جن صراحی دار گردنوں کا ہار بنے تھے
 وہ موتی نہ جانے کہاں کھو گئے وہ تاج کہاں کھو گئے وہ لالہ رخاں کہاں کھو گئیں
 کتنے حسین ورنگیں قصے پار بینہ ہو گئے فراموش کر دئے گئے
 مگر قدرت کے ہاتھ میں جیسے جھرنے ہیں سوتے ہیں
 موتی پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں اور موتی جیسے دانتوں کے حامل
 خوش اندام دخوش خرام حسیناً یعنی بھی جنم لیتی ہی رہتی ہیں
 صرف موتی کی قیمتیں بدلتی ہیں
 صرف گل انداموں کے نام بدلتی ہیں

خیفتم

داستان امیر حمزہ و طسم ہوش رُبا
 الف بیله و عاقل نظر بند سب پڑھیں
 میر آمن کو سودا کو اور درد کو پڑھا
 مگر نئے لوگوں کو بھی پڑھنا ہے
 اور پھر جدید ادب کی دُنیا سے نئی دُنیا کپٹک دُور رہ پاتی
 کس دُور ہیں اور کہاں تغیر و تبدیلی رونما ہیں ہوئی
 غزل کامزاج بدلا
 ناصر کاظمی، باقی اور بشیر پدر کے ساتھ ساتھ
 کئی اور شعرا ابھر کر آگے آئے
 نئی نظمیں راشد اور میر آجی سے لے کر
 آج تک برابر لکھی جا رہی ہیں
 بیل گاری کی جگہ ریل نے لے لی
 اور ریل سے پھر ہوانی سفر کا دور آگیا
 تبدیلی کی یہ لہرزندگی کے ہر شعبہ میں
 برابر جاری و ساری ہے

مگر اس کا کیا کیجھے
 کہ ہر دُور میں کچھ لوگ رہ جاتے ہیں
 واویلا کرنے کے لیے
 نئی روشنی پہ
 وہ کہتے ہیں کہ یہ نئی طرز کیسی، نیا انداز کپیسا
 یہ کچھ روی بے راہ روی کیسی
 کون ان سے کہے کہ
 نئے کو اپنانا ہم نے بڑوں سے ہی سیکھا ہے
 نئی را ہیں پرانے راستوں کا سدِ باب تو نہیں کرتیں
 جہاں دور استے ہوں وہاں دو اور سہی

• داستانِ میسور •

میرے ساتھ بھی وہی ہوا جو اوروں کے ساتھ ہوتا آیا ہے
 میں بھی بھیڑ میں تہنما ہو گیا
 ایک جم غفیر جو چمکتی خنک روشنی کی طرف جا رہی تھی
 اس سے میں بچھڑا گیا اور تہنما رہ گیا
 مگر میری تہنما نی بھی تو ایک کائنات ہے
 جس میں میکر مااضی کی دلپذیر داستانیں ہیں
 میکر شہر کے پرانے راستے قدیم رسوم طور طرقی
 راجا پر جا جوان بوڑھے مسجد مندر کھیل میدان مدرسے درگا ہیں
 تالاب کھیت پیر گیت نوحے نغمے رقص باجے
 علماء شعرا اور نہ جانے کیا کیا ہے
 جبھی تو میں نے ایک کتاب لکھی میکر شہر کی
 جبھی تو میکر شہر کا چرچا اطراف والکاف
 دُور اور نزدیک خاص و عام میں ہرز بان پر ہے
 میرا مااضی بڑا ہے ہا نا ہے
 یہ دراصل نور ہے
 یعنی داستانِ میسور ہے

• رازِ امتیاز کی تذر

عجبِ رنج ہے جس سے نہیں ہے کوئی مفر
 نہ پوچھئے کہ ہے کس رُخ پہ زندگی کا سفر
 ہے وقت صیر طلب اب ہے دل کا حال دگر
 خجل، ہولالہ بود بھے وہ میس رازِ خشم جگر
 نہ آنکھ تر ہے نہ گریب سے اس کو فرمات ہے
 وفورِ رنج سے لیکن عجیب راحت ہے
 وفا کی نہم میں جلتے ہیں دستی کے دیئے

خوشی اپنوں کی یستی ہے امتحان اپنا
 یہ چُپ غصب کی ہے اس چُپ کو تور دالو تم
 پتہ نہیں یہ گھٹا کب چھٹے گی اور مجھے!
 سنائی گئے گی مرد دوست کی کئی یادیں
 خدا کے واسطے دو لفظ ہی سہی لکھو
 یہ چُپ کی زردیں بہت دیہ جی نہیں سکتا

منزلِ نو

پناہ ڈھونڈتی انسانیت پھری جب بھی
 تو دا کئے تھے ہالم نے اپنے سارے باب
 جب آئے پیاس سے رواداری و محبت کے
 تو اب گنگ درجمن نے کیا انھیں سیراب

پھر ایک بار جو مغرب سے آندھیاں اکھیں
 دیئے خلوص و تمثیل کے جھللاں ٹھے
 سمجھی میں آئی نہ اک عمر سازشِ صیاد
 تھے ہم صفیر خود اپنے ہی خون کے پیاس سے

ہمارے جسم تو آزاد ہو گئے لیکن
 گلوئے ذہن میں ہے طوق آہنی اب بھی
 ٹھنا ہے صبح نمودار ہو گئی لیکن
 دیا ر قلب میں ہے قحطِ روشنی اب بھی

یہ فرقہ داری یہ صوبہ پرستیوں کی وبا
ہمارے ذہنوں کو بیجاو کر کے رکھ دے گی
بمحاش گا ندھی جواہر نہ سوں گے اب پیدا
نہیں کی کو کہ یہیں یہ زہر بھر کے رکھ دے گی

یہ نونہال ہمارے یہ ادھ کھلے غنچے!
سرا ہمارے گنہ کی نہ عمر بھر بھگتیں!
اب آؤ دوستو شنکر کی راہ پر چل کر
تمام کینہ و نفرت کا زہر خود پی لیں

سحر کو منزل نوجب ہمیں ٹکارے گی
خود آگے بڑھ کے تھکن آرتی اُتارے گی
پچھا اور دیر گرانی ہے آخر شب کی!
کروصلوں کو نہ کم کر دے راہ کی سختی

مئے امید دراپی کے قازہ دم ہولو!
قدم ملا کے چلو مشعلوں کو تیر کر دو

وہ حرف نہیں

لمحوں میں جو حرف بنے وہ حرف نہیں
 زود پشیمانی پہ بھروسہ مت کرنا
 ہوں تو ہوں سخن دشنام ان کے لب پر
 اپنے بیوں پہ ایسے سخن مت آئے دو
 لمحوں میں جو حرف بنے وہ حرف نہیں
 زود پشیمانی پہ بھروسہ مت کرنا

اپنار شستہ گل بوئے تاروں کی قطار
 ندی کی کومل نہرسی گھنگھرو کی جھنکار
 کڑی دھوپ میں جیسے شجر سایادار
 زود پشیمانی پہ بھروسہ مت کرنا
 لمحوں میں جو حرف بنے وہ حرف نہیں

ہائیکو

اک شاخ نرم عورت کا بدن
 نرم شعلہ بھی ہے وہ
 رشکِ چمن

روض گھنگھروں تال سر بے جان سب
 پات میری مان اب
 زن ہے عجب ، زن ہے عجب

چاند آہستہ خرامی میں مگن
 ماہ وش اک ہو جلو میں
 اس گھڑی رک جائے دم

ماں لیجیے گا یہی ہے اپنا حل
 عورت بغیر
 دست و پا اپنے ہیں شل

ہائیکو

سال و سن سے کچھ نہیں پڑتا ہے فرق
 عورت پہ جی آئے تو ہے
 ہر لمحہ کنج سرخوشی

رُاگنی ہے پھول کی ڈالی بھی ہے
 لوح ہے احساس ہے اک لمس بھی
 ایک عورت کے قیامت کے ہیں رُخ

رات دن ملتے ہیں ایسے میں اے دل
 صرفِ نازک کی ہری مسکان ہو
 زندگی کی جان ہو

مامتا کا ہے اُجالا
 پیار ہے نعمت ہے
 عورت کا چلن

قطعات

وقت کے پیڑ کا سایا کیسے راس آیا ہے
 کھینچ ہی لیتی ہے آنکو ہمیں زیست کی دھوپ
 ہست کا خواب گراں ہم پہ مسلط ہی ہی
 پھیل جاتی ہے بہر حال کبھی نیست کی دھوپ

خزان کا دور نہ دوڑ بہار باقی ہے
 اُمید و یاس نہ دل میں وہ پیار باقی ہے
 اک ایسے موڑ پہ آکر رُکی ہے زیست جہاں
 کسی کا جیسے کہیں انتظار باقی ہے

شبِ انتظار میں تھا چراغاں ہمارا گھر
 دل سے بھلا بیں کیسے سیہ پوشی سحر
 یہ زندگی ہماری ہے اک امتحان اے دوست
 کچھ صبحیں ہم سے مانگتی ہے شام کی ڈگر

سَرْگُوشِیاں سی کرتی ہے ہم سے بہار تک
 آکر ٹھہر گئی ہے نظرِ آبشار تک
 ساری فضا ہے شہر کی کیوں آج دلنشیں
 ہو آئیں کیوں نہ اپسے میں کوئے یار تک

لپکے برق سی حدِ نگہ کہ پار گری
 فضا مہک گئی رنگیں اک پھوار گری
 کبھی جو چھوگیا دکھتی رگیں کوئی لمحہ
 ورق پہن کر مری بن کے آبشار گری

عجب ہے زیستِ مری ہو کے خواہستی ہے
 تصوّرات میں تصویر یار ہنستی ہے
 دوام کیوں نہ دے خلائقِ دو جہاں اس کو
 کتابِ شعر جو بن کر بہار ہنستی ہے

خزان میں زہر ہے کتنا بھار ٹھے پوچھو
 رموزِ دردِ دل بے قرار سے پوچھو
 فور غفن ہے زمانے میں کس لیے لوگو
 ذرا نکل چلو قرب و جوار سے پوچھو

ہرزلف کا سایا تو صنوبر نہیں ہوتا
 ہر سیپ کے سینے میں تو گوہر نہیں ہوتا
 ہر گام پہ دل والے تو مل جاتے ہیں لیکن
 ہر قلب میں ہمدردی کا جو ہر نہیں ہوتا

جو کام ہے اپنا وہی کر جائے گی
 بکھر ہوئی تقدیر نور جائے گی
 کچھ اور بڑھے تلخیٰ حالات کی آنچ
 تپ تپ کے حیات اور نکھر جائے گی

فَصَيْلٌ صَعْدَهُ كَسْ دَهْرَ تَابُكَاهُ بِهِ رُخ
 مِيرِيْ جَيَاتُكَاهُ بِيْسِ هَنْسِ دَهَا بِهِ رُخ
 بِهِ رُوْحُكَسْ لِيْبِيْ چِينْ مَاجِرَا كِيَاهُ بِهِ
 يِهِ كُونْ مَشِيلْ قَضَا مِيرَا دِيْكَهْتَا بِهِ رُخ

جَمَالِ دَوْسَتْ سَے دِلْ كَاعِجِيْبَالِمْ بِهِ
 خِيَالِ دَوْسَتْ سَے اَبْ آنِكَهْ بَهْيِ مَرِيْنِمْ بِهِ
 اُدُّا سِيْ اِيكِ طَرْفَ اَكِ طَرْفَ مَسْرَتِ زَلِيْتِ
 نَرْ چَهِيرَا بِيْسِ مَجِهَهْ كَوْ كَهْ درَدَ كَمَ كَمْ بِهِ

بِهِ اَبْ كَهْ فَصِيلِ بَهْرَارِ جَمِنْ هِينْ خَاكْ بَسِرْ
 نَظَرَكَهْ سَامِنَهْ اَبْ بِهِ دَهْوَانْ دَهْوَانْ مَنْنَاظِرْ
 هَوا كَاهِيَاهِيَهْ نَرْ جَانَهْ وَهْ كَتَنْ رُخْ بَدَلَهْ
 بِهِ آجَ اپِنَا لِيقَيِںْ وَگَماَنْ كَهْ سِچَ سَفَرْ

ایک تاریک سند تھی میری جولانی
 میں بصارت سے بصیرت کا نہ ہوتا شیدا
 تیر سے پر تو کی کرن کر گئی روشن مجھ پر
 کہ انہی بیرون سے ہی ہوتے ہیں اجالے پیدا

سچ ہے خورشید کا محتاج قمر ہوتا ہے
 کشتِ ناقص میں بھی گلدار شجر ہوتا ہے
 بات آسان ہے گر آئے سمجھ میں کاوش
 جذبہ صالح ہے تو ہر کام امر ہوتا ہے

جادہ بنادیا کبھی منزل بنادیا
 مانشہ شمع سور عنادل بنادیا
 سینے میں مرے دے کے وہ اک بقیر ار دل
 زنگین حیات کا حامل بنا دیا

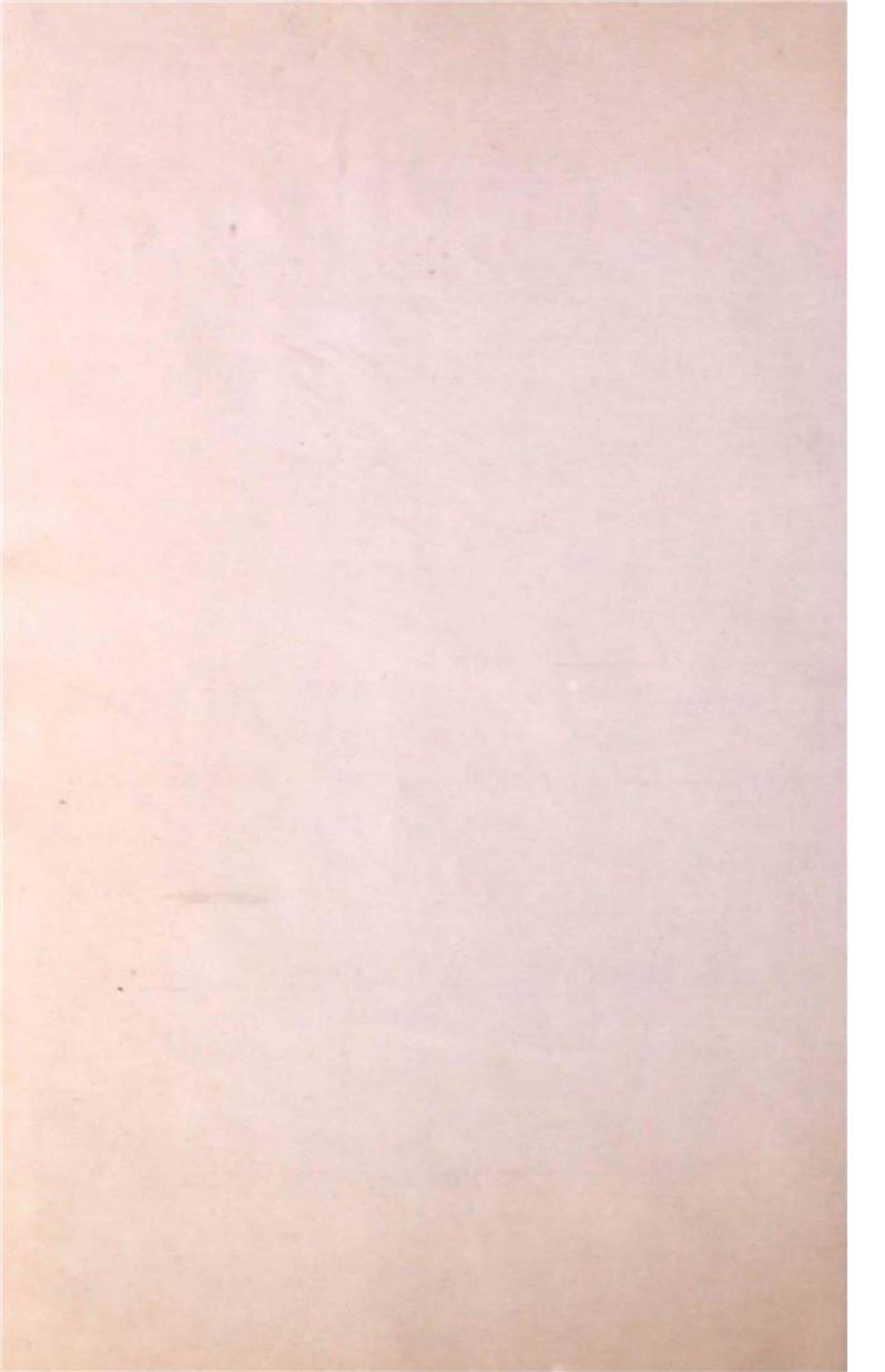
منزليں پاؤں چومنے لگتیں
 خارج رہ بھی گلاب ہو جاتے
 زندگی اک طویل شب تھی مری
 کاش آپ آفتاب ہو جاتے

ایک پاگل کا خواب ہو جاتی
 درد و غم کی کتاب ہو جاتی
 آپ دیتے نہ میرا ساختہ اگر
 زندگانی عذاب ہو جاتی

زندگانی پہ شام رہنے دے
 درد دل میں مدام رہنے دے
 خواب عنقا کھیں نہ ہو جائیں
 خواہشیں نا تمام رہنے دے

بہار لفظ ہوں رنگینیٰ بہار ہوں میں
 ندی ہوں فن کر کی سوچوں کا آبشار ہوں میں
 کلام کیوں نہ لگے میراد لنشیں کا وَش
 میں روح وقت ہوں وقت کی پکار ہوں

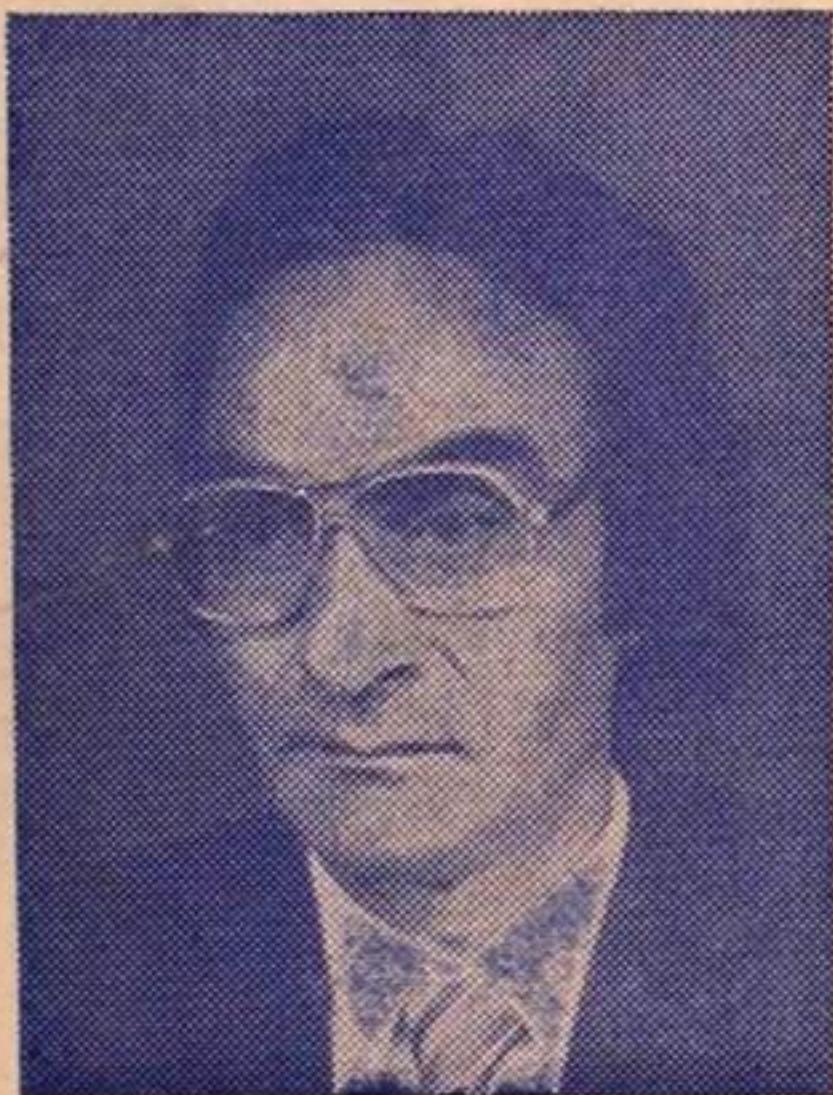
کھونے میں جو ہے لطف نہیں پانے میں
 بیمار کو لے آؤ شفا خانے میں
 موقع تو ملے اس کے مسیحاءُں کو
 ہے دیر کہاں اس کے گزر جانے میں



AAB - E - ZAR

BY

IKRAM KAWISH, B.Sc.,B.Ed.,



IKRAM KAWISH

COMPILED

BY

ALEEM SABA NAVEEDI, B.A.,